AL-HAYAT Research Journal
HJRS HEC Journal Recognition System
ISSN (Online): 3006-4767
ISSN (Print):: 3006-4759
Volume 3 Issue 3 (April-June 2026)

باصر سلطان کاظمی کی غزل گوئی کا موضوعاتی مطالعہ

A Thematic Study of Basir Sultan Kazmi's Ghazal Poetry

Husnain Ahmad

PhD Scholar Department of Urdu, University of Education Lahore

Email: husnainahmad1211@gmail.com

Khadija Saeed (Correspondence Author)

MPhil Urdu Forman Christian College (A Chartered University) Lahore

Email: khadeejasaeed1911@gmail.com

***Abstract*:**

Baasir Sultan Kazmi is a distinguished figure in contemporary Urdu poetry, carrying forward the literary legacy of his father, Nasir Kazmi. His ghazals reflect a unique blend of classical tradition and modern sensibilities, distinguishing him from mere imitation of past masters. Influenced by his father's mentorship and extensive literary study, Baasir developed an individual poetic voice that resonates with both heritage and originality. His poetry addresses themes of love, existential reflections, socio-political consciousness, and human emotions, often weaving hope alongside sorrow. Through his deep understanding of contemporary issues, he captures the struggles and aspirations of his time with remarkable poetic craftsmanship. Critics acknowledge his mastery of language, fluidity of expression, and ability to infuse traditional ghazal structures with contemporary relevance. This paper explores the distinctive features of Baasir Sultan Kazmi's ghazals, highlighting his poetic evolution, thematic depth, and stylistic finesse that position him among the significant Urdu poets of his era.

Keywords: Basir Sultan Kazmi, Ghazal, Themes, Poetry

اردو شاعری انسانی جذبات، احساسات، اور فطری کیفیات کے اظہار کا نہایت لطیف و پر اثر وسیلہ ہے۔ یہ فنونِ لطیفہ کا وہ عظیم شعبہ ہے جو نہ صرف دل و دماغ کو سکون بخشتا ہے بلکہ فکر و شعور کو بھی جِلا عطا کرتا ہے۔ شاعری تہذیب و ثقافت کی آئینہ دار ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرتی روایات کی پاسداری اور تمدنی اقدار کی بقا میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ یہ زبان کو فصاحت و بلاغت سے آراستہ کرتے ہوئے اس کی لطافت و حسن کو مزید نکھارتی ہے۔ اردو شاعری میں محبت، اتحاد، اور اخوت کے پیغام کو فروغ دینے کی وہ خاص تاثیر پائی جاتی ہے جو انسانوں کے درمیان قربت کا ذریعہ بنتی ہے۔ مزید برآں، شاعری فرد کو فطرت کے اسرار و رموز کے قریب لاتے ہوئے ان میں پوشیدہ حکمت کو دریافت کرنے کی تحریک دیتی ہے۔ یوں اردو شاعری اپنے قارئین کے دلوں میں خوشبو کی مانند اتر کر زندگی کے ہر پہلو کو معنویت اور گہرائی سے بھر دیتی ہے۔ انسانی جذبات و کیفیات کا اظہار بالخصوص اردو شاعری کا نمایاں وصف رہا ہے۔ اردو ادب کی تاریخ میں بے شمار شعراء کرام نے اپنا اپنا حصہ شامل کرتے ہوئے اس کی ترویج و ترقی میں معاونت کی ہے۔ انہیں شعراء کرام میں ایک بڑا نام باصر سلطان کاظمی کا ہے۔ باصر سلطان کاظمی اُردو شعراء کی فہرست میں شامل صفِ اول کے شاعر ناصر کاظمی کے صاحبزادے ہیں۔ گویا شاعری کا فن قدرت کی عطا کے ساتھ ساتھ باصرؔ کو وراثت میں بھی ملا۔ ناصر کاظمی کی صورت میں ایک بہترین استاد بھی باصر کو گھر ہی میں میسر آگیا جس نے اُن کے شعری سُخن اور فہم کو جِلا بخشی۔ اس حوالے سے باصر سلطان کاظمی لکھتے ہیں:

"بابا کو شاذ و نادر ہی کوئی شعر پسند آتا۔ جو غزل میں انہیں دکھاتا اصلاح کے بعد اس میں باقی کچھ نہ بچتا۔ یہ تلفظ ایسے نہیں باندھا جا سکتا۔ اور پھر اساتذہ کے کلام سے مثالیں دیتے۔"(1)

ایک شہرت کے بامِ عروج پر فائز شاعر کی صحبت میں پروان چڑھنے والے باصر سلطان کی شعری اصلاح کے ساتھ ساتھ تربیت کا عمل بھی جاری رہا۔ ناصر کاظمی صاحبِ مطالعہ شاعر تھے یہی وجہ ہے کہ وہ باصر کو اساتذہ کے کلام سے مثالیں دے کر سمجھاتے تھے۔ باصر کی اب تک کل پانچ کتب شائع ہو چکی ہیں جن میں باصر کی شاعری کلاسیکیت اور جدت کا امتزاج کہی جا سکتی ہے۔ باصر کاظمی کی غزل گوئی میں تقلید ہے بھی تو ایسی نہیں کہ ناصر کاظمی یا کسی اور بڑے شاعر کی ہو بہو چھاپ محسوس ہو۔ بلکہ اُن کا انفرادی رنگ نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کے پیچھے اُن کا وسیع مطالعہ اور تربیت تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ فطرتِ طبع ہے جو ایک شاعر میں ہمیشہ سے موجود ہوتی ہے۔ ارمان انجم باصر کی شاعری کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"ناصر کاظمی کی اندھی تقلید سے دامن کش ہو کر انہوں نے اپنی الگ راہ نکالنے کا بیڑہ اُٹھایا لیکن سادگی، غنائیت اور شعریت کے وِرثے کو انہوں نے ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔"(2)

سادگی، غنائیت اور شعریت وہ اوصاف ہیں جو ہر بڑے شاعر کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ ناصر کاظمی کی شاعری میں ان عناصر کا اظہار بہت زیادہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح باصر کاظمی کے ہاں ان اوصاف کے ساتھ ساتھ شعری انفرادیت اور خیال کی نُدرت بھی واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ اپنے وِرثے کی حفاظت اور انفرادی حیثیت کو قائم رکھنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فیض پایا ہے کئی چشموں سے یوں تو باصرؔ
مدرسہ میرا ہے ناصر کا دبستانِ غزل"(3)

باصر کا مذکورہ بالا شعر بھی اسی جانب اشارہ کر رہا ہے کہ انھوں نے شاعری میں فیض فقط اپنے والد ناصر ہی سے نہیں لیا بلکہ دیگر صاحبانِ فن سے بھی حاصل کیا ہے۔ اب یہاں فیض سے مراد بالمشافہ ملاقات کے ذریعے ہی نہیں بلکہ مطالعہ و مشاہدہ کے ذریعے بھی مراد ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ باصر کا مطالعہ وسیع اور مشاہدہ پختہ ہے۔ صباحت عاصم واسطی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"جب میری اور باصر کی ادبی معاملات پر گفتگو ہوتی ہے تو مجھے یہ بات تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ باصر کو ادب کے مروجہ اور متروک رویوں کا اچھی طرح علم ہے اور نیز یہ کہ وہ اپنے عہد کے تمام رجحانات سے پوری طرح باخبر ہے۔"(4)

صباحت عاصم واسطی کا اعترافی بیان یہ بتاتا ہے کہ باصر کا مطالعہ اور مشاہدہ وسیع ہے۔ ساتھ جو دوسری اہم بات اس اقتباس سے معلوم ہوتی ہے وہ باصر کا شعور ہے۔ یعنی انہیں یہ شعور حاصل ہے کہ مروجہ و متروک رویے کیا ہیں۔ یہ ایک صاحبِ باشعور شاعر و ادیب ہی سمجھ سکتا ہے اور یقیناً شعور کے پیچھے جو چیز کار فرما ہوتی ہے وہ مطالعہ ہے۔ اپنے عہد کے تمام رجحانات سے واقفیت باصر کی قوتِ مشاہدہ پر دلالت کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باصر کی غزل میں حالاتِ حاضرہ کے حوالے سے بے شمار اشعار قارئین کو مل جاتے ہیں۔

"وہی رسمِ کم نگاہی وہی رات کی سیاہی
میرے شہر کے چراغو یہاں کیا کرو گے جل کے"(5)

"وہ قافلہ تو کبھی کا گزر چکا باصرؔ
کھڑے ہو راہ میں اب انتظار کس کا ہے"(6)

"بدل دیئے ہیں زمانے نے عشق کے انداز
سو دیکھ پائیں گے کیا قیس و کوہکن میں لوگ"(7)

"یہ شہر تمہارا میری بستی کے مقابل
اچھا ہے مگر صرف عمارات کی حد تک"(8)

"اگرچہ نعمتیں حاصل ہیں دو جہاں کی انہیں

OPEN ACCESS

اداس رہتے ہیں یاربّ میرے وطن میں لوگ"(9)

کہاں سیاستِ اغیار نے ہلاک کیا

ہمیں تو اپنے ہی افکار نے ہلاک کیا۔(10)

"حالات خراب ہو گئے ہیں

دریا بھی سراب ہو گئے ہیں

جو کام بھی گندے تھے باصرؔ

اب کارِ ثواب ہو گئے ہیں"(11)

شاعری اپنے عہد اور اس سے وابستہ موضوعات کی بنا پر اپنے آپ کو معتبر بنواتی ہے۔ باصر کے ہاں بھی عہدِ موجود کے موضوعات نمایاں طور پر موجود ہیں۔ جیسا کہ پیش کردہ اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے وہ اپنے گردوپیش کے حالات پر رنجیدہ دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے لوگوں کی اداسی، غم اور پریشانی انھیں بے قرار کرتی ہے۔ جب باصرؔ کاظمی پریشان کُن حالات کو دیکھتے ہیں تو فقط رونا نہیں روتے بلکہ ایک سنجیدہ اور حساس لکھاری ہونے کا ثبوت دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اپنے افکار کی پستی ہے جس نے ہمیں ہلاک کیا ہے۔ اور ساتھ ہی بتاتے ہیں کہ گردوپیش میں بسنے والے لوگوں کے حالات ایسے ہو چکے ہیں کہ جو اعمال پست سمجھے جاتے تھے اور اخلاقی طور پر گندے تھے اب انھیں ثواب سمجھ کر کیا جا رہا ہے۔ باصر اپنے عہد کو شاعری میں کس طرح سمو دیتے ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر قیصر عباس زیدی رقم طراز ہیں:

"باصر سلطان کاظمی کے ہاں آپ کو دورِ حاضر کی بھاگتی دوڑتی زندگی اور اس سے وابستہ مجبوریوں کا بھرپور شعور نہ صرف موضوعات کے تنوع میں ملتا ہے بلکہ اسلوب کی بے ساختگی اور خالصتاً آج سے جڑے ہوئے الفاظ کے چناؤ میں بھی ملتا ہے۔ موضوع کوئی بھی ہو باصر شگفتگی بیان کا دامن بہر حال ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔"12

قیصر عباس زیدی کا پیشِ بالا اقتباس باصرؔ کے شعری کرافٹ اور موضوعات دونوں کے حوالے سے اہم ہے۔ ایک طرف زیدی نے بتایا ہے کہ باصرؔ کی شاعری میں اُن کے عہد کی متحرک زندگی کی تصویر دکھائی دیتی ہے۔ دوسرا اُن کا شعری کرافٹ ہے جو اُنھیں نمایاں کرتا ہے۔ اسلوب میں بے ساختگی ہے یعنی کوئی بناوٹ دکھائی نہیں دیتی جیسا موضوع ہو ویسے ہی لفظوں کی ایک بُنت ہمیں باصرؔ کے شعر میں دکھائی دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باصرؔ کے ہاں شعر کسی بھی طرز کا ہو ایک منفرد انداز قاری کو ملتا ہے۔ اپنے اسی اسلوب اور اندازِ بیان کے بارے میں باصرؔ لکھتے ہیں:

"دُکھے نہ دشمن کا دل بھی میرے سخن سے باصرؔ

میں بات کرنے کے اُس قرینے کو ڈھونڈتا ہوں"13

غزل کا یہ حسن ہے کہ اپنے اندر موضوعات در موضوعات سمو سکتی ہے۔ ایک شعر اگر تصوف جیسے بڑے موضوع پر ہے تو دوسرے میں یہ گنجائش موجود ہوتی ہے کہ وہ اصلاحِ قوم کے پہلو کو موضوع بنائے۔ باصرؔ کی شاعری میں حوصلہ، امید اور لگن دکھائی بھی متوازی طور پر دکھائی دیتی ہے۔ عموماً شعراء پر کوئی خاص کیفیت غالب ہو جائے تو اُسی کے زیرِ اثر اُن کا کُل نہیں تو اکثر کلام تخلیق پاتا رہتا ہے۔ لیکن باصر کے ہاں اگر اداسی، غم اور ہجرت جیسے موضوعات ہیں تو ساتھ ہی ایک تحریک بھی قاری کو ملتی ہے، جس میں جدوجہد اور امید جیسی کیفیات زندگی کے رنگوں کو خوبصورتی کی نوید بخشتی دکھائی دیتی ہیں۔ اشعار ملاحظہ ہوں:

"ہم آبیاری خونِ جگر سے کریں اگر

لائے گی شاخ بید بھی اس باغ کی ثمر"14

تو عبث نیرنگیِ ایام سے بے زار ہے

دیکھ آنکھیں کھول کر ہم دم نئی ہے زندگی"15

شاعری میں اگر یاس و ناامیدی کی فضا غالب ہو تو قاری میں جینے کی امنگ اور کچھ کر گزرنے کی استعداد ماند پڑنے لگتی ہے۔ اس کی بڑی وجہ وہ اثر انگیزی ہے جو ایک شاعری کو بڑا بناتی ہے۔ باصر جہاں پریشانیوں کا ذکر کرتے ہیں اور زندگی کی تلخیوں کو موضوعِ سُخن بناتے ہیں وہیں قاری کو امید کا دامن تھام کے کچھ کر گزرنے اور زندگی

کے نئے رنگوں کی امید کا پیغام بھی دیتے ہیں۔ اگر شاعری بالخصوص اردو غزل کے مزاج کا جائزہ لیا جائے تو اس کا سب سے بڑا موضوع عشق ہے۔ اب یہ عشق کس رنگ اور مزاج کا ہے یہ ہر شاعر کے ذاتی تجربے اور مشاہدے پر منحصر ہے۔ باصر سلطان کے ہاں بھی عشق کے موضوع کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ محبوب سے اظہارِ محبت اور اس کی بے رُخی کا اظہار اُن کے اشعار میں بہت زیادہ ہے۔ باصرؔ روایتی عاشق کا مزاج رکھتے ہیں لیکن اُن کا عشق روایتی ہونے کے باوجود نئے منظر نامے اور تناظر کو اجاگر کرتا ہے۔ محبوب کی بے رُخی کا ذکر بھی کرتے ہیں اور اُس کے اس رویے پر خود ہی اُس کے حق میں دلیل بھی دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ باصرؔ کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ محبوب کی خامی کو بیان کرنے کے قائل ہی نہیں۔ اُس کے نظر انداز کیے جانے پر بھی خود سے اُس کے حق میں بولتے اور دلائل دیتے دکھائی دیتے ہیں۔ باصرؔ کی غزلوں سے چند اشعار اس حوالے سے درج ذیل ہیں:

"بُرا ہر گز نہیں اس کا رویہ
مگر کچھ حوصلہ افزا نہیں ہے"16
"یُوں بے حال نہ ہوا ے دل بس آتے ہی ہوں گے وہ
کل بھی دیر لگی تھی اُن کو آج بھی دیر لگے گی"17
"کچھ تو حساس ہم زیادہ ہیں
کچھ وہ برہم زیادہ ہوتا ہے"18

ایک جانب محبوب کے رویے کی شکایت ہے تو دوسری جانب اس کے حق میں دلیل، محبوب کا تاخیر سے آنا اور اُس پر بے قرار دل کو تنبیہ کرنا، محبوب کی برہمی کے جواز میں اپنے مزاج کی حساسیت کو سبب قرار دینا، یہ باصرؔ سلطان کاظمی کا خاص انداز ہے۔ باصرؔ سلطان کاظمی عشق میں انتہا کے قائل ہیں۔ چلے تو جاں سے گُزر گئے کے مصداق وہ عشق میں ہر حد سے گزر جانے کے قائل دکھائی دیتے ہیں۔ ادھورا عشق اُن کی شاعری میں دکھائی بھی نہیں دیتا۔ یہی مشورہ وہ دوسروں کو بھی دیتے ہیں کہ یا تو عشق میں اس حد تک ڈوب جاؤ کہ خود کو اس میں فنا کر لو یا اس رستے پر جاؤ ہی مت۔

"یا تو ہو جائیں اس میں پورے غرق
یا کریں عشق سے حذر پورا"19

شاعر فطرت کے بہت قریب ہو کر اس کا مشاہدہ کرتا ہے۔ عموماً عام شخص کو یہ فن یا قدرت حاصل نہیں ہو سکتی کہ وہ فطرت سے مکالمہ کر سکے۔ لیکن شاعر نا صرف فطرت سے ہم کلام ہوتا ہے بلکہ اِس کے رازوں تک رسائی بھی حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے بعد اِن رازوں کو اشعار کی صورت بیان کر دیتا ہے۔ باصر کے فطری مظاہر کا اظہار اشعار میں بہت زیادہ دیکھا جا سکتا ہے۔ چاند، ستارے، ماہ وانجم، جگنو، پھول، پودے، درخت، دیا، چراغ، آفتاب، روشنی، صبح، شام، رات جیسے الفاظ بکثرت اُن کے اشعار میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

"یوں فضا آئینہ بنی ہے آج
چاند خود محوِ چاندنی ہے آج"20
شب اہل ہوس ایسے پریشاں تھے باصرؔ
جیسے ماہ وانجم کبھی دیکھے نہیں ہوتے"21

"ویرانوں میں جگنو
کس کو ڈھونڈ رہا ہے تُو"22
"چاند میرا ہے ستاروں سے الگ
پھول میرا جدا ہے پھولوں سے"23
اب کس کو چمن میں ڈھونڈتی ہے

OPEN ACCESS

اے بادِ صبا نہیں رہا کچھ "24

باصرؔ سلطان کی غزلوں میں فطرت، عشق، جذبات، سنجیدگی، طمانت، اور سماجی موضوعات بہت زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ اُن ہاں ہجرت کے موضوع پر بہت لکھا گیا ہے۔ ہجرت کا دکھ اور اس کے کرب کی کیفیات اُن کی شاعری میں بہت زیادہ ہیں۔ اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اُن کا خاندان ہجرت کی تکلیف سے دوچار ہوا اور ناصرؔ کاظمی اس کا بہت زیادہ اظہار اپنے اشعار اور گفتگو میں کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ باصرؔ کو خود پردیس کی تکالیف جھیلنی پڑیں۔ ان دونوں نے مِل کر ایک ایسے احساس کو پیدا کیا جسے انھوں نے اپنے اشعار کی صورت بیان کیا۔

"شاید فلک ہی ٹوٹ پڑا تھا وگرنہ یوں
جاتا ہے چھوڑ کر کوئی اپنی زمیں کہیں "25
لاکھ آسائشیں پردیس مہیا کردے
غریب الوطنی پھر بھی ہے غریب الوطنی "26
ہم کہ جو ہر ابر کو ابر کرم سمجھا کئے
آ گئے اس دیس میں اور دھوپ کو ترسا کیے "27

باصرؔ سلطان کاظمی کے ہاں ہجرت کا غم ملتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ اس کا مسلسل شکار رہے۔ بلکہ انھوں نے اسے روگ نہیں بننے دیا اور یہی وجہ ہے کہ اُن کی غزل میں دیگر موضوعات بھی کثرت سے دکھائی دیتے ہیں۔ اگر وہ اس حساس پہلو کی کیفیات کو خود پر مسلسل طاری کر لیتے تو یقیناً اُن کے شاعری میں یہی ایک غالب موضوع دکھائی دیتا۔ اس حوالے سے خالد یوسف لکھتے ہیں:

> "باصر سلطان کاظمی نے غمِ ہجرت کو حرزِ جاں نہیں بنایا بلکہ جس طرح ولولہ تازہ رکھنے والے جرمنوں نے جنگِ عظیم کے ملبے سے ایک خوبصورت تر زمینی بہشت از سرِ نو تعمیر کر لیا ہے اسی طرح انھوں نے بھی اپنے درد و الم کو نئی مسرتوں کا پیش خیمہ بنا کر تن من دھن کے ساتھ ایک گلستاں تر و تازہ کی آب یاری کو اپنا نصب العین بنالیا ہے۔" 28

خالد یوسف کے مذکورہ بالا اقتباس کے تناظر میں، باصر سلطان کاظمی کی فکری و تخلیقی روش غمِ ہجرت کی جاودانی اسیری سے منزہ ہو کر ایک حیات آفریں انقلاب کی نقیب بن جاتی ہے، جہاں الم و مصیبت کی تاریک شبِ غم کو عزمِ مصمم کی مشعلِ فروزاں سے منور کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ خالد یوسف رقم طراز ہیں، باصر سلطان کاظمی نے ہجرت کے صدمات کو حرزِ جاں نہیں بنایا بلکہ ان دکھوں کو ایک نئی مسرت اور تعمیری قوت میں ڈھال لیا، بعینہٖ جیسے جرمن قوم نے جنگِ عظیم کی تباہ کاریوں کے کھنڈرات سے ایک شاداب تمدنی جنت کی از سرِ نو تخلیق کی۔ انھوں نے اپنے درد و غم کو صبر و استقامت کے آبِ حیات سے سیراب کرتے ہوئے اپنی مساعی جمیلہ کو ایک گلزارِ تازہ کی آبیاری کے لیے وقف کر دیا، جہاں ہر برگ و بار میں امید کی تجلی اور ہر صبا میں عزمِ نو کی خوشبو رچی بسی محسوس ہوتی ہے۔ یہی رویہ ہمیں اُن کی تمام تر غزلوں اور ان کے موضوعات میں دکھائی دیتا ہے۔ باصرؔ نے غزل کی روایت میں اپنا ایک منفرد مقام خود حاصل کیا ہے۔ باصرؔ سلطان کاظمی کی غزل گوئی کے حوالے سے ڈاکٹر صفدر امام لکھتے ہیں:

> "غزل کی روایت کا جبر اتنا مستحکم ہے کہ ہر نئے تجربے اور انداز کے لیے شاعر کو قدم قدم پر مختلف طرح کی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہر بار روایت پہاڑ کی طرح آ کر ہمیں نئے راستوں پر چلنے سے روکتی ہے کیوں کہ اس صنف کی اپنی ایک تومند دنیا آباد ہے اور شاعر اگر چاہے تو اسی کی سیر کر کے بڑا کارنامہ پیش کر سکتا ہے۔ مگر ہر بڑا شاعر پہاڑ کاٹتے ہوئے اپنے لیے ایک مختلف راستہ بناتا ہے کیوں کہ بنے بنائے راستوں پر چلنے والے عہد ساز تو نہیں ہو سکتے! ہمارے بزرگوں نے غزل کے مزاج کو بار بار بدلا اور اس بدلے ہوئے انداز کو بعد والوں نے غزل کی روایت میں شامل کر کے آئندہ کا سفر طے کیا۔ یہی اس بڑی صنف کی تاریخ اور روایت ہے۔ اسی لیے باصر سلطان کاظمی نے غزل کی نرم، سادہ اور غیر فارسی آمیز زبان میں ہلکا سا طنزیہ اور ظریفانہ لہجہ اظہار کی بے تکلّفی کے ساتھ پیش کر کے جو شعری سرمایہ تیار کیا ہے، وہ بلاشبہ اردو شاعری کا نیا، انوکھا اور قابلِ توجّہ حصّہ ہے۔ یہ مکّھی پر مکّھی بٹھانے والی شاعری

نہیں، دوسروں کے بنے بنائے راستوں کی ہم سفری نہیں بلکہ اس شاعری کی ایک ایک سانس اور دھڑکن باصر سلطان کاظمی کی اپنی ہے۔اس اسلوبِ شعر کی کامیابیاں ناکامیاں بھی شاعر کی بالکل نجی اور ذاتی طور پر خلق کردہ ہیں۔"29

غزل گوئی کی روایت اور مزاج کے حوالے سے مذکورہ بالا اقتباس میں جامع انداز میں وضاحت کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ڈاکٹر صفدر امام نے بڑے شاعر کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غزل کی اس روایت میں اپنا الگ راستہ خود تراشتہ ہے اور باصر سلطان کاظمی کی غزل گوئی اس حوالے سے نمایاں مقام کی حامل ہے۔ مکھی پر مکھی مارنے کی روایت پرست شاعری نہیں بلکہ اپنا الگ تشخص اور انفرادیت ثابت کرتی شاعری اپنے اسلوب اور انداز کے حوالے سے منفرد مقام رکھتی ہے۔ یہی انفرادی پہلو باصرؔ سلطان کاظمی کو ایک بڑا غزل گو شاعر بناتا ہے۔ باصر کی شاعری کڑے امتحانات اور مشقِ مسلسل کی منازل طے کرتے ہوئے صفحۂ قرطاس پر نمودار ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قارئین اور نقاد داد دیئے بنا نہیں رہ سکتے۔ شیخ صلاح الدین کے بقول:

"اپنے ہر شعر کو حق کے کڑے سے کڑے امتحان سے گزارتا اور جب کوئی شعر اس کے امتحان سے پورا اترتا تو وہ اس کو سناتا اور کئی بار سنا کر اس کو پرکھ لیتا اور پھر اس کو شائع کرواتا مگر وہ اس پر بھی مطمئن نہ ہوتا کیونکہ اصلاح و ترمیم کا عمل اس کے بعد بھی جاری رہتا۔"

30

مسلسل مشق، وسیع مشاہدہ اور گردوپیش سے حساس اور انسانی زندگی سے جڑے اہم ترین موضوعات کا انتخاب کر کے اسے شعر کے پیرائے میں ڈھالتے ہوئے غزل کی صورت پیش کر دینا ایک بڑے شاعر کا مقام طے کرتا ہے اور باصرؔ سلطان کاظمی اس مقام و مرتبے پر پورا اترتے دکھائی دیتے ہیں۔ مذکورہ جائزے کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ باصر سلطان کاظمی نے غزل کی روایت کو محض برقرار رکھنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اسے اپنے منفرد فکری اور فنی شعور سے نئی جہتیں عطا کی ہیں۔ ان کی غزلوں میں کلاسیکی روایت اور عصری حسیت کا حسین امتزاج ملتا ہے جس کے باعث ان کا کلام عہدِ حاضر کے مسائل، انسانی جذبات، عشق، ہجرت اور سماجی شعور کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے۔ سادہ مگر مؤثر اسلوب، تازہ طرزِ اظہار اور فکری گہرائی نے ان کی شاعری کو معاصر اردو غزل میں ایک نمایاں اور منفرد مقام عطا کیا ہے۔ یہی خصوصیات باصر سلطان کاظمی کو اپنے عہد کے اہم اور معتبر غزل گو شعرا کی صف میں ممتاز کرتی ہیں۔

حوالہ جات:

1. باصر کاظمی، موجِ خیال (دیباچہ)، جہانگیر بک ڈپو، لاہور:1999ء، ص19
2. ارمان انجم، باصر کاظمی، مخزن، بریڈ فورڈ:2000ء
3. باصر کاظمی، شجر ہونے تک، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور:2015ء، ص152
4. صباحت عاصم واسطی، شجر ہونے تک، باصر کاظمی، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور:2015ء، ص33
5. ایضاً، ص45
6. ایضاً
7. ص94
8. ص96
9. ص94
10. ایضاً
11. ایضاً، ص103
12. قیصر عباس زیدی، ڈاکٹر، باصر سلطان کاظمی کی شاعری کی انفرادیت، شفیلڈ، برطانیہ: جنوری 2014ء
13. باصر کاظمی، شجر ہونے تک، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور:2015ء، ص154
14. ایضاً، ص64
15. ایضاً، ص61
16. ایضاً، ص69
17. ایضاً، ص70
18. ایضاً، ص65
19. ایضاً، ص146
20. ایضاً، ص49
21. ایضاً، ص63
22. ایضاً، ص64
23. ایضاً، ص61
24. ایضاً، ص97
25. ایضاً، 99
26. ایضاً، 55
27. ایضاً، ص93
28. خالد یوسف، چمن کوئی بھی ہو، مطبوعہ: ماہنامہ پرواز، لندن اکتوبر 2009ء، ص65
29. صفدر امام قادری، ڈاکٹر، باصر سلطان کاظمی کی غزلیں، ادبی میراث، 25 جون 2021ء
https://adbimiras.com/basir-sultan-kazmi-ki-ghazlein-part-1-dr-safdar-imam-quadri/
30. صلاح الدین، شیخ، بحوالہ: ساجد علی، سرزمین شعر کا اجنبی مسافر، ہم سب، 4 اگست 2020ء، ص2
https://www.humsub.com.pk/336093/sajid-ali-132/2/